ڈاکٹر صائمہ نذیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
حامد محمود
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، نیشنل ہونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

محمد طفیل کی خاکہ نگاری میں طنز و مزاح کے عناصر

Elements of humor and satire in Muhammad Tufail's Sketch Writing

Muhammad Tufail is considered to be one of the most prominent sketch writers of Urdu literature.His sketches portrait human respects, humanity, touching sense, sympathy, sincerity, charging and fitness. It also reflects high quality literary tastes. It is believed that Muhammad Tufail's sketches just a serious statement, but in reality in Muhammad Tufail's sketches, elements of humor are also found which make his writings more comprehensive, meaningful and makes it easier for expressing thoughts. As Muhammad Tufail sketchs satisfy the literary tastes, meanwhile it showsa clear importance of the specific genre of writing satire and humor. This article reviews the elements of satire and humor in his character sketches.

Keywords: *Considered, Prominent, Sketch, Literature, Potrait, Sympathy, Sincerity, Statement, Elements, Humor.*

اردو کے غیر افسانوی نثری ادب میں خاکہ نگاری سوانحی اصناف میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد اردو رسائل کا ایک نیا دور شروع ہوا اور نئے مضامین اور موضوعات کی طرف ادیبوں کے قلم چلنے لگے تو جہاں افسانوی نثر میں تبدیلی آئی اور سوانحی ادب میں بوریت اور طوالت کو کم کرنے کی طرف ایک رجحان شروع ہوا۔ اسی دور میں اردو کی نئی اصناف نے ظہور پایا۔ رسائل و جراید نے اپنی ضرورت کے تحت ان مختصر اصنافِ ادب کو فروغ دیا۔ یہی دور خاکہ نگاری کا ارتقائی دور ہے۔

اردو کے ادبی رسائل و جراید میں ایک منفرد اور معروف نام ''نقوش'' کا ہے۔ دیگر ادبی اصناف کے ساتھ ساتھ اردو میں ''نقوش'' کا نام خاکہ و شخصیت نگاری کے فروغ میں بھی نمایاں ہے۔ ''نقوش'' کے مدیر کے ساتھ محمد طفیل نے جس صنفِ ادب میں طبع آزمائی کی وہ خاکہ نگاری ہے۔ انھوں نے اس دور میں صنف خاکہ نگاری کا انتخاب کر کے فنی اصولوں کے مطابق بر تاجب ادیبوں کی بہت کم تعداد اس طرف توجہ دے رہی تھی۔

خاکہ نگاری میں شخصیت کی خدوخال، مجلسی زندگی، کردار اور عادات و اطوار کو خاکہ نگار ایسے پیش کرتا ہے کہ اس فرد کی کی ایک مکمل اور متحرک تصویر قاری پر منکشف ہوتی ہے۔ مذکورہ اوصاف کا اظہار تبھی ممکن ہے، جب خاکہ نگار شخصیت سے گہرے مراسم اور تعلقات رکھتا ہو۔ سطحی تعلقات کی بنیاد پر شخصیت کا بہتر اظہار خاکے میں ممکن نہیں ہوتا۔

خاکہ نگار کسی شخصیت کا معروضی مطالعہ کرتا ہے اور پھر خاکے کے فنی تقاضوں کے مطابق اسے اظہار کی صورت عطا کرتا ہے۔ خاکہ نگار کی قوت مشاہدہ تیز ہوتی ہے۔ خاکہ نگار فہم و ادراک رکھتا ہے۔ خاکہ نگاری میں شخصیت کے اہم اور منفرد پہلوؤں کا ہی اظہار ممکن ہے کیوں کہ خاکہ نگاری کا اہم عنصر اختصار ہے۔ خاکہ نگار واقعات اور مکالمات کے انبار میں سے ایسے واقعات اور مکالمات کو منتخب کرتا ہے جس سے شخصیت کی تصویر کم سے کم اظہار میں ہمارے سامنے آ جائے۔ خاکہ نگاری میں شخصیت کا اجمال بیان ہوتا ہے، ایسا اجمال جو کل پر دلالت کرتا ہے۔ خاکے کے فنی لوازم میں یہ بھی شامل ہے کہ خاکے میں مزاح اور نکتہ آفرینی ہو۔ فرد کی شخصیت کا مجموعی تاثر اس کے خاکے سے بھی ابھرتا ہے۔ جیسے سنجیدہ شخصیت کا خاکہ بھی سنجیدہ ہوگا البتہ خاکے کے فن کا تقاضا ہے کہ اس میں شگفتگی، دلچسپی اور تسلسل بھی موجود ہو۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے مطابق: ''خاکے کو دلچسپ بنانے کے لیے ہلکا مزاحیہ رنگ بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔" (۱)

محمد طفیل نے طنز کو حکمت میں سمو کر پیش کیا ہے۔ جس طرح حکیم کڑوی دوا کو شہد یا شکر میں ملا کر اسے خوش ذائقہ بنا دیتے ہیں، محمد طفیل نے ایک ادیب کی حیثیت سے معاشرے کی وہی خدمت انجام دی ہے۔ وہ تلخ رویوں، بدمزہ کر دینے والی عادتوں، ناقابلِ قبول کمزوریوں کو ایسے میٹھے طنز میں پیش کرتے ہیں کہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے اور بدمزگی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے اسلوب نگارش کے متعلق خود ہی لکھا ہے:

> "خاکہ نگاری کو حقیقت نگاری سے آنکھیں نہیں چرانا چاہییں لیکن اس کے پاس ایسا حکمت آمیز قلم ہونا چاہیے کہ وہ کہے سب کچھ، مگر اس ڈھب سے کے ہر قدم پر سُجھا سُجھا کے انجان بنتا چلا جائے۔" (۲)

محمد طفیل کے خاکوں کا بنیادی وصف معروضیت ہے۔ خاکہ نگاری کسی شخصیت کو حقیقی رنگ میں پیش کرتا ہے اور یہی وصف محمد طفیل کے خاکوں میں موجود ہے۔ گویا خاکہ نگاری کو احوالِ واقعہ یا مشاہدے کا بیان سمجھتے ہیں

اور بیان میں خود اپنی شخصیت کا بے جا دخل بھی انھیں پسند نہیں۔ ان کی تحریر مبالغہ، قصیدہ گوئی، ہجو اور بے جا منظر نگاری سے پاک معلوم ہوتی ہے اور یوں وہ ادب کے اعلیٰ معیار پر دکھائی دیتی ہے۔

محتاط طرز نگارش کے باعث یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ محمد طفیل کے خاکوں میں دلچسپی اور دلکشی کی بجائے سنجیدگی غالب ہوگی اور معروضیت کی وجہ سے تحریر بوجھل ہوگی، جس وجہ سے ایک عام قاری کو محمد طفیل کی خاکہ نگاری میں وہ لطف اور چاشنی محسوس نہیں ہوسکے گی جو خاکہ نگاری کی صنف کا خاصہ ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد طفیل کا اسلوب نہایت لطیف اور موقع محل کے عین مطابق ہے۔ ان کے ظریفانہ جملوں میں پوشیدہ میٹھا اور گہرا طنز بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے طنزیہ فقرے بسا اوقات دو تین الفاظ پر ہی مشتمل ہوتے ہیں لیکن وہ کسی ایسے موقعے پر برجستگی اور سادگی سے ادا کیے جاتے ہیں کہ موقع و محل اور مقام کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ بات کہہ بھی دیتے ہیں اور بات بگڑتی بھی نہیں۔

خاکہ نگاری کی مخصوص اسلوب کے باعث دیگر اصناف سے ممتاز ہے۔ محمد طفیل کے اسلوب میں طنز کی آمیزش، اظہار مافی الضمیر کے تقاضوں، بیان احوال کی مجبوری کے باعث محسوس ہوتی ہے۔ ان کے یہاں طنز کا استعمال فن کے اظہار سے زیادہ دل کے درد کا ترجمان محسوس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ان کے جملوں میں پوشیدہ طنز قاری کے چہرے پر مسکراہٹ کا سامان پیدا کرتا ہے تو ایک دبی دبی کسک بھی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

محمد طفیل طنز کو شعوری طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ طنزیہ پیرائے میں کوئی پیغام دیتے ہیں۔ وہ واقعے کے کسی خاص موڑ پر ایسا جملہ کہتے ہیں کہ جو مخصوص طنزیہ انداز کی بنا پر ان کی مراد واضح کر دیتا ہے لیکن ان کے لہجے میں کسی کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی الٹا یہ جملہ ایک قسم کے نشتر کا کام کر دیتا ہے، ایسا نشتر جو فرد یا معاشرے کی رگوں سے فاسد خون نکالنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

محمد طفیل نے بعض سماجی رویوں پر ہلکا پھلکا طنز کر کے قاری کو ان سے بچنے کا پیغام بھی دیتے ہیں لیکن انھوں نے خود کو بطور واعظ پیش نہیں کیا۔ سماجی ناانصافیوں، معاشرتی رویوں، دوستوں کی بے اعتنائیوں اور زندگی کی ناہمواریوں کا اظہار وہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ قاری مایوس ہونے کی بجائے انھیں زندگی کا لازمی حصہ جان کر بے اختیار مسکرانے لگتا ہے۔ سیاست پر محمد طفیل کا طنزیہ اسلوب ملاحظہ فرمایئے:

"اس دنیا میں ہمارے لیے قدم قدم پہ غم کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ کوئی آدمی بھی تو مطمئن نہیں۔ بڑوں کو قوم کا غم کھا رہا ہے اور چھوٹوں کو اپنا غم۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بڑے قوم ہی کو کھا رہے ہیں لیکن میں یہ بات سنی ان سنی کر دیتا ہوں۔" (۳)

سیاست گو کہ محمد طفیل کا موضوع نہیں لیکن سماجی عمل کی بنا پر ایک ادیب سیاست سے قطعی طور پر لاتعلق بھی نہیں رہ سکتا۔ اب اسے بدقسمتی ہی شمار کرنا چاہیے کہ مادر وطن کی سیاست ایک ادیب کے لیے کوئی خوشگوار تجربہ نہیں رہی۔ ادیبوں اور شاعروں کو سیاست اور اہل سیاست سے شکوہ ہی رہا۔ محمد طفیل اپنے خاکوں میں ایک ایسا فرضی خط بھی درج کرتے ہیں۔ منٹو کی طرف سے لکھے گئے اس خط میں وہ جہاں منٹو کا طرز سامنے لاتے ہیں وہیں ایک مقام پر سیاست پر گہرا طنز بھی کرتے ہیں۔ ان جملوں میں آج کی سیاست کا عکس بھی ملتا ہے۔ ان کے یہ الفاظ آج کی صورت حال پر بھی کہے جاسکتے ہیں۔ جبکہ انھیں لکھے ہوئے نصف صدی بیت چکی ہے۔

"تمھارے ہاں کے ادیب اور تمھارے پڑوسی ملک کے ادیب اپنے اپنے ناخداؤں سے جو بڑی خوشگوار قسم کی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں وہ سراسر حماقت ہے۔ ان خوشگوار قسم کی امیدوں کے پیٹ میں تو صرف بہن خوش فہمی لمبی تانے سو رہی ہے۔

تمہارے ہاں سیاست تو کوئی بڑی دھڑن تختہ قسم کی ہے۔ آج کوئی وزیر ہے تو کل جیل میں ہے۔ اگر کوئی چند دن پہلے جیل میں تھا اور ساتھ ہی غدارِ وطن بھی، تو آناً فاناً وزیر ہو جاتا ہے۔ یہاں پر میرے احباب جب تمہارے ہاں کی سیاست کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو یقین جاننا، میں مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔" (۴)

مزاحیہ تحریر صرف حماقت کے بیان کا نام نہیں بلکہ مزاح زندگی کی ایک حقیقت کا نام ہے اور مزاحیہ تحریر اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے۔ مزاح کا کمال یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کو بغیر کسی جھنجلاہٹ کے قبول کرتا ہے بلکہ ان پر قہقہہ بھی لگا سکے۔ محمد طفیل گو خود نہ اہل سیاست میں شمار کیے جاتے تھے اور نہ ہی وہ معروف معنوں میں مذہبی شخصیت تھے لیکن ایک ادیب کی حیثیت سے سیاسی رویوں کے علاوہ محمد طفیل نے دین و مذہب کے حوالے سے بعض معاشرتی رویوں پر بھی بڑے لطیف انداز سے چوٹ کی ہے۔ وہ موقعے کی نزاکت کے حوالے سے لفظ کے انتخاب کی خاص رعایت رکھتے ہیں اور عام اور سادہ انداز میں گہری بات لکھنے کے فن کے ماہر ہیں۔ لکھتے ہیں: "چنانچہ تینوں نمازی کڑکتی دھوپ میں اللہ کا نام لے کر نکل پڑے۔ شوکت صاحب کو نماز سے زیادہ ایک اور ضروری کام تھا اس لیے وہ معذور تھے۔" (۵)

متذکرہ بالا جملے میں لفظ معذور سے پر لطف معنویت پیدا ہو گئی ہے۔ کیوں کہ "نماز سے معذور ہونا" ایک شرعی اصطلاح بھی ہے اور معذور کا لفظ عام بول چال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ نماز سے زیادہ ایک ضروری کام کے بعد معذور کے استعمال نے جملے میں دونوں معنی پیدا کر دیے۔ سمجھنے والا قاری دونوں معانی کا ادراک کر کے نماز کے حوالے سے معاشرے کے عمومی رویے پر کیے جانے والے طنز کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

محمد طفیل نے سماج میں پائے جانے والے کئی رویوں پر گہری چوٹ بھی کی ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ ان کا طنز خنجر کی کاٹ کی بجائے زخم پر مرہم رکھنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ وہ انسانی کمزوریوں سے نفرت کی بجائے انھیں قبول کرنے کا گر سکھاتے ہیں اور فن اور اہل فن کو تعصب سے دور رہنے کا پیغام دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"میں یہاں اس بحث میں نہ پڑوں گا کہ اچھے شعر کہنے کے لیے اچھا انسان بننے۔ ویسے اچھا انسان بننا کوئی بری بات بھی نہیں ہے۔ میں نے کئی اچھے آدمیوں کو دیکھا ہے کہ وہ اچھا شعر نہیں کہہ پاتے۔ برخلاف اس کے واجبی قسم کے برے انسانوں کو اچھا شعر کہتے سنا ہے۔ میں اس بحث کو یہیں ختم کرتا ہوں، ورنہ میرے ہی کئی دوست مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"(٦)

مذکورہ پیراگراف کی آخری سطر میں معاشرے کی عمومی رویے کی طرح شاعروں اور ادیبوں میں پائی جانے والی عدم برداشت اور تنگ نظری کی جانب محمد طفیل نے لطیف انداز میں چوٹ کی ہے لیکن کسی مبالغے کی بجائے اظہار واقعیت کا اسلوب اختیار کر کے ایک طنزیہ رمز میں اپنا شکوہ ظاہر کر دیا ہے۔

محمد طفیل ادب اور اہل ادب کے قدر دان تھے۔ ان کی تمام زندگی ادب کی خدمت میں بسر ہوئی۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کے مزاج سے آشنا تھے۔ انھوں نے اہل فن کو بشری کمزوریوں سمیت قبول کرنے اور انسانی احترام کا درس دیا ہے۔ اہل ادب کی قدر دانی کے باوجود بسا اوقات انھوں نے ادیبوں اور شاعروں کے بعض رویوں پر گہری لیکن میٹھی اور کسی کسی مقام پر تیکھی تنقید بھی کی ہے اور کھل کر طنز بھی کیا ہے۔ تحریر ملاحظہ ہو:

"نئے لکھنے والوں نے یہ ضروری سمجھ لیا ہے کہ صاحب کردار ہونا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا، ادب کی موت کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً سارے لکھنے والے اپنے آپ کو عام لوگوں سے کچھ الگ سا بنا لیتے ہیں۔ میں نے انھیں بے قاعدگی

میں یکتا، بے ضابطگی میں فرد، ذمہ داریوں سے بے نیاز اور اپنے آپ سے بے خبر پایا ہے۔ کاش آج کا ادیب اتنا صاحب کردار نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔" (٧)

محمد طفیل کے طنز میں گہرائی ہے لیکن وہ کاٹ نہیں ہے جو کسی تعصب کی بنا پر اہل قلم کے فقروں میں دکھائی دیتی ہے۔ تعصب کی جگہ محمد طفیل کے جملوں میں اظہارِ واقعیت کا عنصر نمایاں ہے جس سے الفاظ کی معنویت میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جملے میں حقیقی رنگ جھلکنے لگتا ہے اور قاری محمد طفیل کے پیغام کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ واقعیت کو پر لطف انداز میں پیش کرنا ایک ادیب کے فن کا کمال ہے۔ محمد طفیل نیاز فتح پوری کے خاکے میں لکھتے ہیں:

"ان کا شعروں پر عملِ جراحی کچھ مکتبی تعلیم ہی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ استادوں کے سوالات شاید اب تک ان کے ذہن سے نہیں نکلے۔ جیسے شعروں کی نثر کرو، ترکیبِ نحوی کرو، تقطیع کرو، دعوے کے ساتھ ثبوت پیش کرو وغیرہ وغیرہ"۔ (٨)

مزید لکھتے ہیں:

"نیاز صاحب نے فارسی تو اپنے والد ماجد سے پڑھی اور عربی عرب میں محمد طیب اور مولوی صدیق حسن غازی پوری سے، انہی بزرگوں کا یہ سب کیا دھرا ہے جو آج نیاز کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔ اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ فارسی اپنے والد صاحب سے بھی زیادہ جانتے ہوں اور عربی اپنے استادوں سے بھی زیادہ، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ان کے فقرے سمجھ میں نہیں آتے۔" (٩)

محمد طفیل اظہار واقعیت کے ذریعے جو طنز کرتے ہیں اس کا مقصد محض چوٹ کرنا نہیں بلکہ رویے یا طرز عمل کی اصلاح ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان کے طنز کی کاٹ محسوس نہیں ہوتی۔ انھوں نے انسانی عیوب کو فطری انسانی کمزوری قرار دے کر ان سے نفرت کی جگہ قبول کرنے کا پیغام دیا ہے۔ یہ پیغام ان کے طنز میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے جب وہ انسانی کمزوریوں اور رویوں پر چوٹ کرتے ہیں تو بری معلوم ہونے کی بجائے زندگی کا حصہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ذرا دیکھیے کہ وہ عیوب کو حوصلہ مندی سے کس خوبصورت انداز میں تحریر کر دیتے ہیں۔ جوش ملیح آبادی کے خاکے میں لکھتے ہیں:

"نواب محمد علی خان ان کے چچا تھے۔ آمدنی کوئی لاکھ روپے سالانہ کی ہو گی۔ اتنی ہی کچھ آمدنی ان کے والد بزرگوار (نواب بشیر احمد خان) کی تھی جو ان صاحب حوصلہ بزرگوں نے بدانتظامی، مقدمہ بازی اور دل کے ارمان نکالنے کی نذر کر دی۔ تلچھٹ میں جو کچھ انھیں ملا انھوں نے بھی خاندانی روایات کو شرمسار نہ ہونے دیا۔ خوب خوب عیش کیے، خوب خوب جیئے۔" (۱۰)

"صاحب حوصلہ بزرگوں" کی ترکیب میں پوشیدہ میٹھا طنز کس طرح پورے منظر کو ہی تبدیل کر رہا ہے۔ کچھ ایسے ہی مناظر ہمارے سماجی حالات میں آج بھی دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرے میں پائے جانے والے ظاہری تکلف پر محمد طفیل کے پر لطف طنز کا ایک نمونہ یہ بھی ہے:

"میں کئی ایسی شخصیتوں سے واقف ہوں جنھوں نے اپنے اوپر شرافت کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔ ایسے "اللہ والوں" کو جھانکنا مشکل ہے، چہ جائیکہ پڑھ لینا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر سے اگر ایک غلاف اتار دیا جائے تو وہ بالکل آدمی کی صورت میں نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ بعض کے دو غلاف اتارے جائیں تو، بعض کے تین اتریں تو۔۔۔ اور بعض شخصیتیں تو بالکل پیاز ہوتی ہیں جتنے چاہیں غلاف اتار ڈالیں، ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔"(۱۱)

محمد طفیل نے نوجوانوں کے خوش فہم مزاج پر بھی شستہ لیکن بھرپور طنز کیا ہے۔ واقعیت کی بنا پر اس میٹھے طنز میں ایک مسرت آمیز کیفیت اور شوخی پائی جاتی ہے۔ لکھتے ہیں: "نوجوان ہر اس نگاہ کو، جو ان پر اچانک پڑ گئی ہو، اپنے معاشقوں کی ابتدا سمجھ لیتے ہیں۔" (۱۲)

محمد طفیل کے اسلوب خاکہ نگاری میں معصوم فقروں میں چھپے گہرے شوخ رنگ دراصل ان پر خلوص جذبوں کا ظریفانہ اظہار ہے جو ایک سچا ادیب، معاشرے کے لیے اپنے قلب میں موجزن رکھتا ہے۔ ایسا رنگ بسا اوقات دل کے درد کے ساتھ ایک میٹھے، لطیف اور نکتہ آفرین طنز کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اظہار کا منفرد پہلو، اسے نیا رخ عطا کرتا ہے جو تیکھا ہونے کے باوجود جاذبِ نظر بھی ہوتا ہے اور قابلِ قدر بھی۔

محمد طفیل کے خاکوں میں پر تجسس انداز کی بدولت جہاں شخصیت کے اوصاف نمایاں ہوئے ہیں وہاں ہلکے پھلکے انداز میں کیے گئے طنز کی بنا پر انسانی نفسیات، مزاج اور رویوں کی عکاسی بھی بخوبی ہوتی ہے۔

محمد طفیل خاکوں میں حکایاتِ مضحک کے ذریعے مضمون میں دلچسپی پیدا کرنے کا ہنر بھی آزمایا گیا ہے لیکن ان کا مزاح بھی زندگی کے متنوع پہلوؤں پر رائے زنی کرتا ہے اور قاری کے چہرے پر ایک شائستہ مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے۔ ان کا مزاح بسا اوقات ایک داخلی تبسم کو بیدار کرتا ہے جس کا اظہار قاری کی آنکھیں مسکرا کر کرتی ہیں کیوں کہ وہ زندگی کے ایک نئے پہلو سے آگاہ ہوتا ہے۔ معلومات کے خزانے میں کسی ادیب یا شاعر کے داخلی حالات و اطوار کے ساتھ ساتھ اس دور کی ادبی تاریخ سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کا طنز مزاح کی مٹھاس سے بھرپور ہوتا ہے اور مزاح بسا اوقات ایک پر لطف طنز میں بدل جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "ہر شخص اپنے آپ کو عقلِ کل کا مالک اور شائستگی کا منبع سمجھتا ہے۔ الحمدللہ کہ بندہ بھی اپنے آپ کو ایک ایسا ہی شخص سمجھتا ہے۔ قتیل صاحب کے بارے میں بھی میرا ایسا ہی خیال ہو سکتا تھا بشرطیکہ یہ پٹھان نہ ہوتے۔
>
> اصل میں ان میں جتنی خرابیاں یا اچھائیاں ہیں، وہ ان کے پٹھان ہونے کی وجہ سے ہیں۔ میں نے لغت میں پٹھان کے معنی دیکھے وہاں یہ لکھا تھا سپاہی، خونخوار اور لڑاکا۔ اس سے زیادہ میں قتیل صاحب کی کیا تعریف کروں؟" (١٣)

طنز اگر معاشرے کی رگوں سے فاسد خون نکالنے کا کام کرتا ہے تو مزاح سے معاشرے کو آکسیجن ملتا ہے۔ محمد طفیل ایک ماہر سرجن کی طرح دونوں کام کر گزرتے ہیں۔ محمد طفیل کے طنز میں شائستگی کا عنصر ان کی انفرادیت ہے۔ مزاح کی چاشنی بھی تحریر کا حسن دوبالا کر دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اچھا انسان اپنی غلطیوں پر ہنسنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ ایک اچھا مزاح نگار خود پر چوٹ کر کے دوسروں کو مسکرانے کا موقع دیتا ہے۔ محمد طفیل لکھتے ہیں:

> "یہ تو طے ہے کہ آج کے بچے، پہلے بچوں سے زیادہ ذہین ہیں مگر ایسے بقراط بچے، ایسے سقراط بچے، جو معصومیت کے باوجود ایسے نکتہ شناس ہوں کہ کوئی نکتہ باقی نہ چھوڑیں کم ہوں گے۔
>
> میں تو اب ان کے گھر جاتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں مبادا پوچھ لیں
> نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا" (١٤)

ضرب الامثال اور محاوروں کو زبان کا تہذیبی سرمایہ کہا گیا ہے کیوں کہ محاورے اور ضرب الامثال کسی زبان کے تہذیبی رویے، مزاج اور طرزِ فکر اور معاشرتی عادات کی عکاسی کرتے ہیں۔ محمد طفیل نے محاوروں اور

ضرب الامثال کے تہذیبی اثرات کو گہرائی کے ساتھ سمجھ کر ان کا شعوری طور پر استعمال کیا ہے اور بات سے بات پیدا کر کے معاشرے کے رویوں پر پُر لطف انداز میں طنز بھی ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ جو مضمون میں یہاں پڑھ رہا ہوں، یہ کوئی اصل تھوڑا ہی ہے۔ اصلی مضمون تو یار دوستوں میں بیٹھ کر زبانی ہی سنا سکتا ہوں، یہاں اگر میں نے ایسی بے تکلفی برتی تو آپ مجھ سے بھی ناراض ہو جائیں گے اور زیدی صاحب سے بھی۔ لہذا میں آپ کی خوشنودی طبع کے لیے نقلی مضمون پڑھوں گا۔

میں نہ تو آبیل مجھے مار کا قائل ہوں اور نہ ہی جا بیل اسے مار کا قائل۔ اس پر بھی اگر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں تو میرا کیا قصور۔"(۱۵)

ایک اچھا مزاح نگار اپنے آپ پر بھی ہنس سکتا ہے۔ محمد طفیل کے خاکوں میں اپنی ذات پر طنز اور خود اپنی ہی مزاحیہ عادات کے اظہارِ بیان میں شگفتگی اور بذلہ سنجی کا وصف بھی پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: "۱۹۵۰ء میں مجھے بھی سرخاب کا پر لگ گیا۔ یعنی نقوش کی ادارت میرے حصے میں آئی۔"(۱۶)

اسی نوعیت کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے جس میں پر لطف مکالمے کا مکمل تاثر موجود ہے جو ایک طرف ایک بڑی شخصیت کے طرزِ گفتگو سے منعکس ہونے والی طبعی ظرافتوں کی چمک کو اجاگر کرتا ہے تو ساتھ ہی اس میں خود صاحبِ تحریر پر گہرا طنز بھی پایا جاتا ہے۔ مولانا نیازی سے ان کی گفتگو ملاحظہ ہو:

"فارسی جانتے ہو؟"

"جی نہیں!"

"'عربی؟"

"جی نہیں"

"علم منطق اور معقولات و منقولات؟"

"جی نہیں"

"پھر یہ کیوں نہیں کہتے کہ امی ہوں۔" (۱۷)

طنز و مزاح پر مشتمل تحریر انسان کو ہنسنے یا مسکرانے پر مجبور کرتی ہے اور ساتھ ساتھ معاشرے کے متعلق دلچسپ حقائق، معلومات اور نت نئے تصورات سے بھی قاری کو آگاہ کرتی ہے جو بسااوقات نہایت سبق آموز ہوتے ہیں۔ یعنی مزاح محض ہنسنے ہنسانے کا نام نہیں نہ ہی یہ پھکڑ بازی یا مسخرہ پن ہے۔

محمد طفیل اس بات سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتے کہ ادیبوں اور شاعروں کو صاحب کردار بھی ہونا چاہیے لیکن انھوں نے خاکہ نگاری کی صنف میں جہاں شخصیت کی صفات و عادات کو جانچا اور پرکھا ہے وہاں گاہے گاہے، ادیبوں اور شاعروں کے رویوں پر لطیف طنز بھی ملتا ہے۔ ان کے جملوں میں پوشیدہ طنز سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ معاشرے کی روح کی ترجمانی کرنے والوں اور رجحان سازوں کا کام کرنے والوں کو خود بھی اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ محمد طفیل خود اپنے ہی خاکے میں رقمطراز ہیں:

> "انھیں اپنے بارے میں یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ میں ہر وہ کام کر سکتا ہوں جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس غلط فہمی نے انھیں مدیرِ نقوش بنا دیا تھا۔ ورنہ یہ اور نقوش کی ادارت! ہنھ!
>
> یہ غلط فہمی انھیں یوں بھی ہوئی کہ تقریباً تمام شاعروں اور ادیبوں سے ان کے ذاتی اور اچھے مراسم تھے۔ ان میں سے کوئی دوست تھا تو کوئی بھائی، ان کے مدیر ہونے کے فوراً بعد، بھائی دوست بن گئے اور دوست دشمن، الحمد للہ کہ آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان کا کوئی دوست ہی نہیں۔ سب اپنے اپنے دلوں میں بھرے بیٹھے ہیں۔" (۱۸)

محمد طفیل واقعات کے اظہار میں بھی شگفتہ رنگ اپناتے ہیں۔ ابراہیم جلیس کے خاکے میں لکھتے ہیں کہ وہ حیدر آباد دکن کی یادگار ہیں اور انھوں نے بہادری یہ دکھائی کی ریڈیو اسٹیشن پر رضاکاروں کا ساتھ دیا اور اسی بہادری کا صلہ انھیں یہ ملا کہ پاکستان آنا پڑا۔

اچھا مزاح نگار زندگی کے ہر رنگ کا مشاہدہ کرتا ہے اور زندگی سے پیار کرنے کا سبق سکھاتا ہے۔ اسی طرح ایک عمدہ مزاح میں انسانی کمزوریوں کو قبول کرنے اور انسانوں کا احترام کرنے کا سبق بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ محمد طفیل نے عادات و مزاج اور انداز گفتگو کو بھی مضحک اور دلچسپ انداز میں قاری کے سامنے پیش کیا ہے اسی طرح جہاں شخصیت کا دلچسپ پہلو سامنے آتا ہے وہاں بات میں ایک مزاحیہ لیکن شائستہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

"ویسے یہ بیچارے بھی میری ہی طرح بے ضرر اور غیر مفید انسان ہیں۔ ان کی دشمنی سے نہ کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے، نہ ان کی دوستی سے کوئی فائدہ۔ دشمنی میں زیادہ سے زیادہ تیر ماریں گے تو کسی کے خلاف ریویو لکھ دیں گے، دوستی پر اتریں گے تو اسے ایک کپ چائے پلا دیں گے۔

میز کے گرد بیٹھے، پاپڑ کو روتے رہیں گے۔

ہائے کیا لوگ تھے وہ بھی اور کیا زمانہ تھا وہ، اب فجو کی ریوڑیاں نہیں ملتیں، مُجو کے پاپڑ نہیں ملتے، کُجو کی گجک نہیں ملتی، بجو کے دہی بڑے نہیں ملتے۔"(١٩)

ہر اچھے ادیب کی طرح محمد طفیل بھی طنز و مزاح کے ذریعے قارئین کو مسرت پہنچانا اور انھیں زندگی کی خوبصورتیوں اور لطافتوں سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ زندگی کے تلخ حقائق کو ہنس کر بخوشی قبول کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ ان کا مزاح سے نمکین فقرہ مقصدیت سے خالی نہیں ہوتا، اسی طرح طنز سے بھی معاشرے میں پائی جانے والی کسی خرابی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ معاشرے کے عمومی رویے کے علاوہ محمد طفیل نے مخصوص طبقے یعنی ادیبوں اور شاعروں کی عادات اور ان کی مزاجی کیفیات پر بھی نقد کیا ہے۔

ایک اچھے مزاح نگار کی طرح محمد طفیل کا قلم بھی زندگی کے حقائق کو رقم کرتا ہے اور ان کی تحریر کے آئینے میں ایک عام قاری معاشرے کے عمومی رویوں کا ایک دوسرے زاویے سے مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے دلچسپ، مضحک، تبسم آمیز اور دل کے شگوفے کھلانے والے پہلوؤں سے آگاہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح طنز و مزاح پر مشتمل تحریر میں مذاق نہیں ہوتا اس میں حقیقت ہی کو تلمیح کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور تصورات، حقائق اور واقعات پر شستہ، شائستہ اور میٹھے انداز میں تبصرہ کیا جاتا ہے، اسی طرح محمد طفیل نے سوانحی ادب کی دلچسپ صنف، خاکہ نگاری میں اپنے خاص ادبی ذوق کا رنگ جماتے ہوئے ہلکے پھلکے اور شوخ و تیکھے جملوں کی بدولت خاکہ نگاری کی جو تکنیک استعمال کی اس میں جابجا طنز اور مزاح کے عناصر بھی پیدا ہوتے چلے گئے۔ بے شک یہ ایک شعوری کوشش تھی۔ محمد طفیل کے پیش نظر طنز و مزاح کے ذریعے اس ماحول کو اجاگر کرنا بھی تھا، جس میں وہ کسی شخصیت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس کوشش کا حاصل یہ نکلا کہ خاکہ نگاری سمیت دیگر اصناف ادب میں طنز و مزاح کا مقصد ہنسنا ہنسانا ہی نہیں ہے بلکہ ان عناصر کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کا بلا کم و کاست ابلاغ اور اپنے پیغام کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی بھی تحریر بے قیمت شمار ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، اسلوب، لاہور م اشاعت اول، مئی ۲۰۱۵ء، ص ۲۱۲

۲۔ محمد طفیل، آپ، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار سوم، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۹

۳۔ محمد طفیل، صاحب، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار اول، سن نامعلوم ص ۸۶

۴۔ ایضاً، ص ۴۳، ۴۲

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۶۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۷۔ محمد طفیل، آپ، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار سوم، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵

۸۔ ایضاً، ص ۴۰

۹۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۱۳۔ محمد طفیل، مجبی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار اول، جنوری، ۱۹۸۱، ص ۱۳۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۱۵۔ محمد طفیل، مکرم، ادارہ فروغ اردو، بار سوم، ۱۹۶۸، ص ۲۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۳

۱۸۔ محمد طفیل، جناب، ادارہ فروغ اردو، لاہور، بار دوم، ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۱۱

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۹۸